لالتقاد لابن شرف وغیرہ کوئی زبان ایک مکمل کتاب بھی اس صنعت کی پیش تو کر دے؟

الفاظ و معنی کی باہمی مناسبت: یعنی جس قسم کے معنی ہوں ویسے ہی الفاظ اور جیسے الفاظ ہوں ویسے ہی معنی۔ مثلاً سخت لفظ کیلئے سخت معنی نرم لفظ کیلئے نرم معنی بھی عربی کا خاصہ ہے۔

سیبویہ کا قول ہے کہ اکثر مصادر جو فعلان کے وزن پر آتے ہیں ان میں اضطراب و حرکت کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ جیسے غلیان وغیرہ۔ ابن جنی کہتا ہے کہ اکثر مضاعف رباعی مصادر کے معنوں میں تکرار و کثرت کا مفہوم پیدا ہوتا ہے مثلاً قلقلہ، صلصلہ، زلزلہ، قعقعہ، قرقرہ وغیرہ۔ فعلی کے وزن پر اکثر سرعت کا معنی رکھنے والے لفظ آتے ہیں مثلاً زلفی وغیرہ۔

حروف کی نرمی و سختی سے الفاظ کے معنی بھی متغیر ہو جاتے ہیں۔ مثلاً انین، انیت متفرق المعنی ہیں۔ حنین و رنین۔ قبض و قبص میں فرق ہے۔ اصمعی کا قول ہے کہ نخیر، نخیر، کریر گھوڑے کی آواز کے نام ہیں ان سب میں فرق ہے۔ ہطل و ہطل، مد و مط میں بھی فرق ہے۔ اگرچہ معنی ایک ہے لیکن مرتبہ و درجہ کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح حرف کی زیادتی سے معنی بھی زیادہ ہو جاتے ہیں مثلاً شقدف (چھوٹی کشتی) اور شقداف (بڑی کشتی) کو کہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہیں عربی زبان کی خصوصیات۔ دنیا کی کوئی ایسی زبان نہیں ہے جس میں ان خصوصیات میں سے ایک بھی اس شان سے پائی جائے۔ عربی زبان کی تمام خصوصیات کی تفصیل کیلئے "فقہ اللغۃ" للثعالبی اور "فقہ اللسان" "مخصص ابن سیدہ" دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو کہ عربی زبان کی خاصیتیں کتنی ہیں؟ میں نے صرف نمونہ کیلئے مختصر طور پر چند باتیں لکھدی ہیں ورنہ عربی زبان پر تفصیلی روشنی ڈالنے کیلئے بیحد قابلیت، کثیر اوقات اور ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے۔ الغرض ان خصوصیات کو دیکھتے ہوئے کون ہے جو اس قدیم و متمدن زبان کو سب سے زیادہ وسیع اور زندہ نہ تسلیم کر لے گا؟ لہٰذا حق و انصاف کی روشنی میں یہ متفقہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ ہندوستان کی مکمل قومی اور ملکی زبان کہلانے کیلئے جس طرح اردو میں پوری صلاحیت موجود ہے اسی طرح دنیا کی عمومی زبان کہلانے کیلئے عربی میں پوری صلاحیت موجود ہے۔ کاش! دنیا کے اہل علم حضرات عربی زبان سے شغف پیدا کرتے۔

کوشِ رزق سے مذہب کا تعلق

(از مولوی عبد الوالی صاحب آروی متعلم جماعت خامسہ رحمانیہ)

انسانی نفسیات کا مشاہدہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ بنی نوع انسان کو جب دنیاوی اور معاشی طور پر ایک حد تک فارغ البالی ہو جاتی ہے اور وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں تو اس مالک حقیقی کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں جس نے ان کو پیدا کیا اور یہ آرام دیا۔ بلکہ اس خدا کے ان بندوں کو بھی بھول جاتے ہیں جو بڑی حد تک قابل توجہ اور مستحق امداد ہوتے ہیں۔ پھر اس غفلت کے ساتھ ساتھ جو کچھ عیش و عشرت کے سامان ان کے پاس ہوتے ہیں انھیں وہ اپنی سعی و کوشش کا نتیجہ اور اپنے حسن تدبیر کا ثمرہ بتاتے ہیں لیکن جب اس کے برعکس ان کو ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے عیش و عشرت کے

بجائے مصائب وتکالیف کا ہجوم ہوتا ہے ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے تب تو یہ کہتے ہیں کہ تقدیر میں یہی تھا زمانہ کو برا بھلا کہتے ہیں اور اپنے کو مجبور محض سمجھتے ہیں۔ خدا کے ذکر میں مستغرق ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں اے پروردگار عالم ہم تیری ہی پوجا کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں ان کی مثال ملاحوں جیسی ہے کہ جبکہ جہاز جا رہا ہو ہوا موافق ہو راستہ درست ہو اسوقت جانتے ہی نہیں کہ توکل علی اللہ کیا چیز ہے اور خدا کو بالکل بھول جاتے ہیں لیکن جب آندھی چلتی ہے یا جوقت جہاز بھنور میں پھنس جاتا ہے اور کوئی امید رہائی اور نجات کی ظاہرا نہیں معلوم ہوتی ہے۔ اسوقت وہ نہایت ہی خلوص دل سے دعا کرتے اور اپنے عجز کا اظہار کرتے ہیں جسکا نقشہ کلام اللہ اپنی اس آیت میں کھینچتا ہے۔ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا۔ خداوند تعالیٰ ان کو مخاطب کرکے کہتا ہے جبکہ سمندر میں کوئی تکلیف تم کو لاحق ہوتی ہے تم ماسوا اللہ کے ان تمام ہستیوں کو جنکو تم پکارا کرتے تھے بھول جاتے ہو۔

بعض ایسے انسان ہیں کہ اپنی ان مجبور و پریشان حالتوں میں ان کے دفعیہ کیلئے کوئی کوشش نہیں کرتے اور مایوس ہوکر خدا پر بھروسہ کرکے بیٹھ جاتے ہیں اور اس کو توکل علی اللہ بتا کر ایک خوبی سمجھتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ خود کہتا ہے فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ یعنی جب نماز (عبادت) سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیلکر اللہ تعالیٰ کا فضل (روزی) حاصل کرو۔ بلاشبہ توکل بھی بڑی چیز ہے۔ اور بعض خدا کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں جو اس کی صحیح کیفیت پالیتے ہیں اور ہر حال میں اپنے مقدر پر شاکر رہ کر خدا ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ کلام ربانی حضرت ابراہیمؑ کا قصہ بیان کرتا ہے الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (وہ ذات جس نے ہم کو پیدا کیا وہی مجھے ہدایت دیتا ہے اور وہ ذات جو کھلاتا ہے مجھکو اور پلاتا ہے جبکہ میں بیمار ہوتا ہوں تو بھلا اور چنگا کرتا ہے وہ ذات جو مارے گا اور پھر زندہ کریگا ہم کو وہ جس سے میں امید کرتا ہوں کہ میرے گناہوں کو قیامت کے دن بخش دے گا) تو معلوم ہوا کہ بعض سچے ولی اللہ ہوتے ہیں جو اعتماد باللہ کی حقیقت تک پہونچے رہتے ہیں۔ وہ اس اطمینان کی زندگی سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ جس سے خدا کی عبادت میں کوتاہی ہو لیکن یہ درجہ ہر کس و ناکس کو نہیں حاصل ہو سکتا اور یہاں تو یہ حال ہے کہ سے

ہر بوالہوس نے عشق پرستی شعار کی ۔۔۔ اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث نے مذہبی طور پر اکتساب و کوشش رزق کو اسلامی زندگی سے الگ نہیں قرار دیا۔ اور دور اول کے سلف صالحین اپنی عبادتوں اور دینی امور میں بیش از بیش مشاغل کے باوجود اپنا اپنا ذریعہ معاش کچھ نہ کچھ ضرور اختیار کئے ہوئے تھے۔ دولتمندی، فارغ البالی اور حصول مال اسلام کے خلاف ہرگز نہیں۔ افراد کی امارت سے قوم کی امارت ہوتی ہے۔ اور قوم کو امیر یا مفلس کہا جاتا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی اور محض توکل ہی توکل ہوتا تو زندگی بسر کرنی دشوار تھی۔ بیشک صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوذر غفاریؓ اور بعض اس قسم کے اور صحابہ تھے جو توکل پسند تھے لیکن امرا اور مکتسبین مال کی بھی کمی نہ تھی چنانچہ حضرت عثمانؓ کی امارت مشہور ہے۔ حضرت زبیر بن العوام نے اپنی وفات کے بعد ورثاء کیلئے بہت بڑی جائداد چھوڑی تھی اس کے بعد کی تاریخ پر بھی نظر ڈالیں تو مذہبی طور پر مشہور ہونے والے اکابر سب رزق کی تحصیل میں کوشاں رہتے تھے۔ گداگری اور ذلت کی زندگی